ڈاکٹر فضل الرحمان اور اُن کے تحقیقاتی فلسفہ کے بنیادی اصول

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مدرسہ احیاء العلوم ماموں کانجن ۔ ضلع لائل پور

گذشتہ سے پیوستہ

ان تمام مباحث کو سامنے رکھنے سے جو اہم سوال کھڑا ہونا چاہیئے تھا وہ یہی ہے کہ اسلام کا یہ عظیم الشان اور عدیم النظیر علمی ذخیرہ جو ہمارے سامنے، تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، اصول وغیرہ کی شکل میں عبادات عقاید، معاملات، اخلاق، حدود اور سیاسیات وغیرہ کے مختلف شعبوں پر مشتمل موجود ہے۔ یہ آخر کیا چیز ہے ؟ بس اسی سوال کے جواب کا نام "فلسفہ ارتقاء اسلام" ہے۔ پہلے اجمالاً ذہن نشین کرایا گیا کہ یہ سب عہد وسطیٰ کے فقہاء (و محدثین) کی رنگ آمیزی ہے۔(۴۶)

اس کے بعد حدیث، فقہ، عقاید، اصول، الغرض علوم اسلامیہ کے ایک ایک شعبہ کو لے کر اس کے ارتقائی منازل بیان کئے جانے لگے، اور اسلام کے اصول و فروع میں سے ایک ایک چیز کا سرا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کاٹ کر زمانہ مابعد سے جوڑا جانے لگا، اور ساتھ کے ساتھ ہر ہر مرحلہ پر امت مسلمہ کے قائدین اور دین اسلام کے حافظین، ائمہ مجتہدین، فقہاء و محدثین، بلکہ صحابہ و تابعین کی فرضی لغزشوں کے افسانے تراشے جانے لگے۔ اور یہ سب کچھ اتنی معصومیت، صفائی، سبک رفتاری، اور ملمع کاری سے کیا گیا کہ قاری خود بخود یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جائے، کہ دنیا کا سب سے بڑا مکروہ اور سازشی مذہب اسلام ہے۔ اور خطۂ زمین کی سب سے بدتر، مکار اور فریبی قوم ہر دور کے علماء کرام اور ناقلین اسلام ہیں۔ معاذ اللہ۔ ڈاکٹر صاحب کی کتاب "اسلامی مناہج کی تاریخ" (بزبان انگریزی جس کا اردو ترجمہ بسلسلۂ مقالات فکر و نظر کی زینت ہے۔) اسی موضوع پر کامیاب شاہکار ہے ——

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

(۴۶) فکر و نظر جلد ۱ ش ۱ ص ۱۹

"فلسفۂ ارتقاء اسلام کے یہ مبادی اور اصول مغربی مزاج اور ذہنیت کی پیداوار، اور ان کے مزعومہ مقاصد کی صاف صاف غمازی کرتے ہیں، ان میں یہودی مستشرقین عمومی طور پر اہل علم کا وہ بدقسمت اور بے ترتیب گروہ ہے، جس نے قرآن وحدیث، سیرت نبوی، فقہ اسلامی، اور اخلاق و تصوف میں بار بار غوطے لگائے، اور بالکل خشک دامن اور تہی دست واپس آیا، بلکہ اس سے اس کا عناد، اسلام سے دوری اور حق کے انکار کا جذبہ اور بڑھ گیا۔ (۲۷)

چنانچہ پہلے اصول کو لیجئے، کہا گیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اساسی طور پر اخلاقی معلم تھے:

یہ اہل مغرب کے نظریہ کی ترجمانی ہے، انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بڑے مفکر، اچھے سیاست دان، عظیم قومی راہنما، بلند درجہ ریفارمر، اور مصلح اعظم کی حیثیت سے تسلیم کر لینے میں کبھی کوئی عذر نہیں ہوا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بنی نوع انسان پر عظیم الشان احسانات کو بھی بڑی فراخدلی سے تسلیم کریں گے، اسلام کو ایک عظیم انقلابی تحریک کی حیثیت سے مان لینے سے بھی انہیں انکار نہ ہوگا۔ آپ نے قرآن مجید کے ذریعہ سے جو اصلاح عالم کا صور پھونکا، اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے جس فدائیت، جانبازی، اور جانفروشی کا مظاہرہ کیا اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت، دوراندیشی اور سیاسی قائدانہ صلاحیتوں کا کرشمہ قرار دینے میں بھی انہیں باک نہ ہوگا۔ وہ یہ بھی تسلیم کر لیں گے کہ مادر گیتی نے آپ جیسا عظیم قائد، عظیم مدبر، اور داعیٔ انقلاب پیدا نہیں کیا، وہ ڈاکٹر صاحب کے اس خراج تحسین کو بھی مان لیں گے کہ "آنحضرت کے کردار میں مذہبی اقتدار اور جمہوریت کا کچھ ایسا حسین انداز کا امتزاج تھا، جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔" (۲۸) (یہ ہے نبی کی نعت۔ ؟ معاذ اللہ)

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی تمام جزئیات اور تفصیلات جن کا تعلق خالص اخلاق سے ہے، ان کے تسلیم کر لینے میں انہیں ذرا تامل نہ ہوگا، بلکہ آپ کے ذاتی اخلاق وعادات، صبر واستقامت، اور لیاقت وقابلیت کو بسر و چشم قبول کرنے میں بڑی عالی ظرفی کا ثبوت دیں گے۔

ان تمام چیزوں کے باوجود انہیں جس امر کے تسلیم کرنے سے عار، ضد اور انکار ہے۔ اور جسے تسلیم کئے بغیر آپ کے فضائل وکمالات اور اخلاق وعادات کی تمام گردان بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ صاحب شریعت نبی تھے، آپ جو کچھ فرماتے یا جو کچھ کرتے تھے، وہ محض اپنے دل ودماغ، عقل وفہم اور بصیرت وادراک سے نہیں، بلکہ "مامور من اللہ" ہونے کی حیثیت سے کرتے تھے۔ وحی الٰہی آپؐ کے ہر قول وفعل، حرکت وسکون، نشست وبرخاست، نیند اور بیداری، صلح وجنگ، اور عبادات ومعاشرت کی ذمہ دار، محافظ، اور نگران رہتی تھی، اس لئے آپ کا ہر قول وفعل،

---

(۲۷) الفرقان لکھنؤ جلد ۳۱ شمارہ ۷، ص ۳۲ (۲۸) فکر ونظر جلد ۱ شمارہ ۱ ص ۱۸

منشاء خداوندی میں فنا، دین و شریعت کا مستقل اصول، اور وحی خداوندی کا قانون ہوتا تھا، پھر آپ چونکہ صرف نبی مرسل نہ تھے۔ بلکہ اسی کے ساتھ ساتھ تمام ادیانِ سابقہ کے لئے ناسخ بھی تھے، اس لئے آپ کی تشریف آوری سے دینِ موسوی، دینِ عیسوی، اور خطۂ عالم کے تمام ادیان پر خطِ تنسیخ کھچ گیا۔ وصول الی اللہ کے دوسرے تمام راستے بند ہو گئے۔ معراجِ انسانیت کی تمام سعادتیں صرف آپ کے نقشِ قدم اور آپ کے اسوۂ حسنہ میں منحصر ہو گئیں، اس لئے آپ کی بعثت کے بعد صرف امتیں نہیں بلکہ امتوں کے نبی ــــ اولوالعزم نبی صلوات اللہ علیہم ـ بھی آپ ہی کے فیصلہ، آپ ہی کے قانون، آپ ہی کی شریعت، آپ ہی کی تعلیم، آپ ہی کی کتاب، اور آپ ہی کی حکمت اور سنت پابند ہوں گے۔ پھر اسی پر بس نہیں۔ بلکہ آپ خاتم النبیین، آخری نبی اور قیامت تک تمام انسانیت کے عالمگیر نبی ہیں۔ آپ کی امت آخری امت، آپ کی کتاب آخری کتاب اور آپ کی شریعت آخری شریعت ہے۔ اس لئے آپ کا دین ایسا جامع دین ہونا چاہئے۔ اور آپ کی شریعت ایسی جامع قانونِ شریعت ہونی چاہئے۔ کہ اس کے بعد کسی شریعت، کسی قانون، کسی دینی نظریہ، بھیودی اور ارتقاء کی ضرورت باقی نہ رہ جائے۔ (۴۹)

الغرض دانشورانِ مغرب کو اپنی تمام علمی کاوشوں کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، رسالت، وحی، شریعت اور ماموریت من اللہ سے انکار ہے۔ ورنہ جیسا کہ ہم نے ابھی کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں " اخلاقی مصلح" عظیم مفکر، داعیِ انقلاب، محسن انسانیت، وغیرہ خوبصورت القاب کے تسلیم کر لینے سے ان کا کیا بگڑتا ہے، ان کے مذاہب پر کیا زد آتی ہے۔ ان کے تحریف شدہ مجموعۂ کتب پر کیا حرف آتا ہے۔ اور ان کی بے پناہ خواہشات کی آزاد روی کی کیا حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

یہ ہے فلسفہ ارتقاء کا بنیادی پتھر جسے ہمارے ڈاکٹر صاحب نے دانایانِ فرنگ سے حاصل کیا، اور بڑی سادہ مزاجی سے اس پر ارتقاء اسلام کی عمارت اٹھانا شروع کر دی، یعنی یہ کہ " آنحضرت اساسی طور سے بنی نوعِ انسان کے اخلاقی مصلح تھے۔" ہم ایک دفعہ پھر اس حقیقت پر زور دینا چاہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں " اساسی طور پر اخلاقی مصلح " کا نظریہ بظاہر اپنے اندر کتنی ہی طمع کاری اور دلفریبی کیوں نہ رکھتا ہو، لیکن اس کی تہ میں آپ کی نبوت و رسالت اور دین و شریعت کے انکار کا چور چھپا ہوا ہے۔ ہم صاف کہیں گے کہ جن اہلِ مغرب نے

---

(۴۹) ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ، باب الحاجۃ الی دین تنسیخ الادیان۔ ص ۱۱۸ ـ طبع منیریہ

یہ نظریہ پیش کیا یہ ان کی کور چشمی، ہٹ دھرمی، اور بد باطنی کی دلیل ہے، اور ان کے جن مشرقی شاگردوں نے اسے قبول کیا۔ یہ ان کی سادہ لوحی، خود فریبی اور ایمان سے محرومی کا نشان ہے۔ ہمارے ان فریب خوردہ دوستوں کو اگر ان الفاظ میں درشتی اور گرانی کا احساس ہو، تو میں ان سے بصد احترام معذرت کرتے ہوئے یہ سوال کرنے کا حق مانگتا ہوں کہ "قرآن مجید کی کس آیت میں یہ "اساسی" نظریہ بیان کیا گیا، کتاب اللہ کے کس فقرے میں آپ کو "ایہا المصلح اساساً" کے لفظ سے خطاب کیا گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کس حدیث اور ارشاد میں اس اساسی حیثیت کو ذکر کیا گیا، اور اسلامی تاریخ کی چودہ صدیوں میں کس صحابی، تابعی، فقہ اور امام نے یہ کہا آپ کی اساسی حیثیت "اخلاقی مصلح" کی تھی اور بس ——

کسی کو غلط فہمی نہ ہونی چاہیے۔ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاحِ اخلاق سے انکار نہیں، بلکہ ڈاکٹر صاحب کے "اساسی نظریہ" کے منفی نقطۂ نظر سے انکار ہے۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور دین و شریعت پر ایمان لاتے ہیں۔ اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اساسی حیثیت "احکام الٰہی کے بندوں تک پہنچانے والے رسول" کی ہے۔ "اخلاقی مصلحیت" کا تصور عقیدہ نبوت کا جزو لاینفک ہے۔ اس لئے اخلاقی مصلحیت دائرہ نبوت میں آپ سے آپ آجاتی ہے۔ ہر نبی اخلاقی مصلح بھی ہوتا ہے، لیکن ہر اخلاقی مصلح نبی نہیں ہوتا۔ بحث یہ ہے کہ ان مغربی کافروں کے سوا کسی اور کو بھی کبھی ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مصنوعی، غلط اور ادھورا تصور سوجھا کہ آپ اساسی طور پر اخلاقی مصلح تھے ——؟ اور یہ کہ آپ کی اس حیثیت سے کس کافر کو انکار ہے؟ اور یہ کہ اسلام میں آپ کی اساسی حیثیت کیا صرف اتنی سی ہے۔ جو ڈاکٹر صاحب نے بیان کی؟ اور یہ کہ کیا ہمارے محترم ڈاکٹر صاحب آپ کی یہ اساسی حیثیت کا نظریہ تسلیم کر لینے اور اسے بڑی آب و تاب کے ساتھ پیش کرنے سے کفر کی دلدل سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔؟

ڈاکٹر صاحب جس فلسفہ کے زور سے بقول خود دینِ اسلام کی پوری عمارت ہی کو منہدم کر دینے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ (۵۰) آپ دیکھ رہے ہیں کہ خود اسی کی بنیاد جہنم میں گرتے ہوئے کنارے پر کھڑی ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں "خاتم النبیین" کے عقیدہ کی جگہ "اساسی طور پر اخلاقی مصلح" کا نظریہ، جسے انہوں نے اپنے یہودی اساتذہ سے حاصل کیا، اور اسے ابلہ فریبی سے اپنے فلسفہ ارتقاء کا سنگ بنیاد بنا ڈالا۔ اب ڈاکٹر صاحب کے سامنے دو ہی راستے ہیں، اگر وہ اپنے اس نظریہ پر جو انکار نبوت کے ہم معنی ہے۔ قائم رہتے ہیں، تو مسلمانوں کو بجا طور پر یہ کہنے کا حق

---

(۵۰) فکر و نظر جلد ۱ ش ۸،۷ ص ۱۰ سطر ۱-۲

حاصل ہے، کہ ڈاکٹر صاحب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور اسلام کی صداقت پر ایمان نصیب نہیں، ان کا جگہ جگہ آپ کو نبی یا آنحضرت (بغیر درود و سلام) لکھنا اہلِ مغرب کی نقالی ہے۔ اور اگر وہ اپنے اس "اساسی" نظریہ سے دستبردار ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام لوازمِ نبوت سمیت نبی ماننے کیلئے تیار ہوں۔ تو ان کے فلسفۂ ارتقاء کی ساری عمارت دھڑام سے نیچے آگرتی ہے۔ اس لئے انہیں یا اپنے ایمان اور اسلام کو بچانا ہوگا، یا مغرب کے چبائے ہوئے فلسفۂ ارتقاء کو ـــــ دونوں کے یکجا کرنے سے انہیں معذوری ظاہر کرنی ہوگی۔ خوب کہا اقبالؒ مرحوم نے ؎ میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ بڑے ہی تیز ہیں یورپ کے رندے

اب ذرا دوسرے "ارتقائی اصول" پر غور کیجئے، کہا گیا کہ "آپ شارع نہ تھے، آپ نے اسلام کی ترقی کے لئے کوئی قانون سازی نہیں کی۔ نہ از روئے قیاس اس کے لئے آپ کو فرصت تھی" (۵۱) یہ نظریہ بھی خالص یہودی پروپیگنڈا کی پیداوار ہے۔ جسے ہمارے محترم ڈاکٹر صاحب نے پیش کیا، اور اسے وحی آسمانی کی طرح قطعی سمجھ کر فلسفۂ ارتقاء کی بنیاد میں چن دیا۔ جس سے وہ بزعم خود دین اسلام کی پوری عمارت کی بنیاد اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں۔ اس نظریہ سے نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بلکہ پوری تاریخِ نبوت مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے۔ ان میں سے ہر ایک نبی کسی نہ کسی "آسمانی شریعت" خواہ وہ جدید ہو یا قدیم، پر قائم تھا۔؟ شریعت کے بغیر نبوت کا تصور احمقانہ نظریہ ہے۔ تاریخ نبوت میں ایک نبی کا نام تبلایا جائے، جو کسی شریعت کا پابند، کسی آسمانی قانون کا تابع اور کسی قسم کے اصولِ تشریع پر قائم نہ تھا، مگر یہ مسئلہ یہودی پروفیسر اسمتھ سے نہیں بلکہ قرآن سے سمجھ میں آئے گا۔ اور ہمارے محترم ڈاکٹر صاحب کی مشکل یہ ہے کہ وہ یہودی عینک کے بغیر قرآن پڑھنے سے معذور ہیں۔ قرآن اعلان کرتا ہے۔

۱۔ لکل امۃ جعلنا منکم شرعۃً ومنھاجاً (مائدہ آیت ۴۸) — ہم نے ہر امت کے لئے ایک شریعت اور ایک منہاج مقرر کیا۔

۲۔ لکل امۃ جعلنا منسکاً ھم ناسکوہ (الحج ـ آیت ۶۷) — ہم نے ہر امت کے لئے ایک راہ شریعت مقرر کی جس پر وہ چلا کئے۔

۳۔ شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہ نوحاً والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ — اللہ نے تمہارے لئے بھی اسی دین کی شریعت مقرر کی جسکی وصیت نوحؑ کو تھی اور جسکی وحی

(۵۱) فکر و نظر جلد ۱ شمارہ ۱ ص ۱۸

ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ الآیۃ (الشوریٰ آیت ۱۳) — آپ کی طرف فرمائی، اور جسکی وصیت ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو کی تھی۔

۴- ثم جعلناك علیٰ شریعۃ من الامر فاتبعها ولا تتبع اھوآء الذین لا یعلمون۔ (الجاثیہ۔ آیت ۱۸) — پھر ہم نے آپ کو ایک شریعت دین پر قائم کیا، پس آپ اسی کی پیروی کرتے رہیں۔ اور نادان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرتے پائیں۔

لیکن ان قرآنی اعلانات کے علی الرغم ڈاکٹر صاحب اعلان کرتے ہیں۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صاحب شریعت نہ تھے۔ حیرت ہے۔ کہ آج ڈاکٹر صاحب ایسے ذی علم شخص کے طفیل اس "بدیہی" مسئلہ پر قلم اٹھانا پڑا۔ جس کے انکار کی توقع کسی نادان، جاہل، مجنون اور دیوانے سے بھی نہیں کی جاسکتی تھی۔

ڈاکٹر صاحب بھولتے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ نبی کو قانون سازی کی ضرورت نہیں ہوتی، نبی کو بنا بنایا قانونِ شریعت، وحی آسمانی سے دیا جاتا ہے۔ اور نبی اس پر اس مضبوطی اور سختی سے قائم ہوتا ہے۔ کہ نبی کا ہر قول و فعل شرعِ الٰہی کی تفسیر اور قانونِ خداوندی کا ترجمان بن جاتا ہے۔ ۲۳ سالہ دورِ نبوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، ظاہر ہے کہ، ساکت و ساکن چپ چاپ بیٹھے نہیں رہے۔ بلکہ ہر آن اور ہر ساعت جو اقوال و افعال آپ سے سرزد ہوئے، وہی قانونِ شریعت ہوتا تھا، پھر اسکی تدوین کے لئے کاغذی فائلوں اور قرطاسی پرندوں کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ ہزاروں صحابہ کرامؓ کی شکل میں زندہ ریکارڈ مشینیں شریعتِ محمدیہ کا ریکارڈ لینے اور اسے مدون کرنے میں مصروفِ عمل تھیں، دارارقم سے لیکر صحنِ کعبہ، صفۂ مسجدِ نبوی، مسجدِ قبا، وادیٔ بدر، وادیٔ حنین اور میدانِ تبوک تک اس قانونِ شریعت کی کلیات الشرعیہ۔ لایونیورسٹیاں تھیں، جہاں اس قانون کے اصول و فروع اور اسرار و علل کے رموز سمجھائے جاتے ہیں۔ وحی الٰہی ان ہونہار طالب علموں کو صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃً کی ڈگریاں دے رہی تھی۔ اور عنایتِ الٰہیہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کیلئے ان کو آلہ اور جارحہ بنا رہی تھی۔

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔ کہ نبی کو فرصت نہ تھی، بے ادبی معاف ہو تو میں کہوں گا کہ یہودی تعلیم و تربیت نے ان کو نبوت کے صحیح تصور سے اندھیرے میں رکھا ہے۔ اسی لئے وہ نبی کے لئے قانون سازی کی فرصت کا سوال اٹھاتے ہیں، کیا وہ مجھے یہ سوال کرنے کا حق دیں گے۔؟ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ زندگی کا کون سا لمحہ تشریع، بیانِ شریعت، سے خالی جاتا ہے۔ آپ کا کھانا پینا سونا جاگنا، چلنا پھرنا، گھر میں گھر کے لوگوں سے اور گھر سے باہر احباب و اصحاب سے ملنا برتنا، کیا

یہ سب چیزیں مسلمانوں کے لئے شریعت نہ تھیں ؟ کسی کو اس عموم میں مبالغہ کا وہم نہ ہو، بلاشبہ نبی کا سونا بھی تشریع سے خالی نہیں ہوتا، نہ وحی کا تعلق نیند کی حالت میں اس سے منقطع ہوتا ہے۔ نبی کی ہر خلوت وجلوت، قول وفعل، صحت ومرض، بیداری اور نیند، حتیٰ کہ زندگی اور موت امت کے لئے قانونِ شریعت ہوتی ہے۔ حق جل مجدہٗ فرماتے ہیں :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب) — تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی خاص قول وفعل، اعتقاد وعمل اور عبادت ومعاشرت کو نہیں بلکہ خود ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ بنایا گیا ہے۔ جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے جو کچھ بھی صادر ہوگا۔ وہ امت کے لئے شریعت قانون اور دستور العمل بنتا چلا جائے گا۔ آپ چاہیں تو اسے یوں تعبیر کر لیں کہ نہ نبی شریعت سے کبھی ایک انچ ہٹنے پاتا ہے۔ اور نہ شریعت نبیؐ سے ایک لمحہ کے لئے بھی الگ ہو سکتی ہے۔ نبی جدھر نکل جاتا ہے، وہی راہ شریعت بن جاتی ہے۔ اور نبی جہاں بیٹھ جاتا ہے، وہی نشست قانونِ شریعت بن جاتا ہے۔ کیوں نہ ہو جب نبیؐ سے اعلان کرایا جاتا ہے کہ :

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ — آپ فرما دیجئے بلاشبہ میری نماز، میری عبادت یا قربانی، میری زندگی اور میری موت یہ سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

جب نبی کی زندگی اور موت کا ہر نقشہ رضائے الٰہی میں فنا ہو کر صرف اللہ کے لئے ہو کر رہ جاتا ہے۔ تو کون کہہ سکتا ہے۔ کہ نبوی زندگی کا کوئی لمحہ تشریع (بیانِ شریعت) سے خالی جاتا ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب کو اس پر تعجب ہے کہ نبی کو تشریع کی کب فرصت تھی، اور ہمیں تعجب اس سے ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریع سے "کب فرصت تھی۔ (دیکھئے "کی" اور "سے" کا فرق کہاں سے کہاں جا پہنچا۔)

ڈاکٹر صاحب نے انکارِ شریعت پر دلیل بھی کیا خوبصورت اور زبردست بیان فرمائی، یعنی "قیاس یہ کہتا ہے کہ نبی کو فرصت نہ تھی" مجھے ان کے خفا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو بصد ادب عرض کرتا، کہ آنجناب نے تمام شریعتِ اسلامیہ اور پورے دینِ خداوندی کو رد کرنے کے لئے "قیاس یہ کہتا ہے" کی جو منطق ایجاد کی ہے۔ اسکی نسبت "قیاس یہ کہتا ہے" کی ابلیسی منطق صرف ایک حکم الٰہی

کوٹالنے کے لئے جو اس نے ایجاد کی تھی، کئی درجہ وزنی ہے۔ اس لئے کہ اس لعین نے اپنے "قیاس یہ کہتا ہے" کو ثابت کرنے کے لئے منطقی انداز کے کچھ غلط سلط فرضی مقدمات ترتیب دے کر ایک وجہ تو گھڑ ہی لی، مگر آپ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا۔ آپ نے صرف "قیاس یہ کہتا ہے": پر گذر بسر کی کم از کم اس کے دو ایک جھوٹے سچے مقدمات ہی ترتیب دے لئے ہوتے۔

پھر ڈاکٹر صاحب کے قیاس نے جو کچھ کہا ہے یعنی نبی کو تشریح کی فرصت نہ تھی": اسے ایک لمحہ کے لئے بفرض محال تسلیم کر لیجئے، تو کیا فوراً سوال نہ ہوگا، کہ کیا وحی نازل کرنے والا خدا بھی عدیم الفرصت تھا۔ آخر اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لاقانونیت کی زندگی کیوں گذارنے دی، اور اگر قانونِ شریعت کی تدوین کیلئے "ادارۂ تحقیقات اسلامیہ" ہی کی ضرورت تھی تو فرشتوں کا ایک بورڈ مقرر کیا جا سکتا تھا۔ آخر جو کام آج ڈاکٹر صاحب کی چھوٹی سی اداری کر ڈالنا چاہتی ہے، ڈاکٹر صاحب کا قیاس کیوں کہتا ہے کہ وہی کام نہ خدا کر سکتا تھا نہ اس کے فرشتے، نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ ہو سکتا تھا نہ صحابہ کرام سے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ بریں عقل و دانش بباید گریست

کچھ بھی ہو ڈاکٹر صاحب کا قیاس مانے یا نہ مانے، کہے یا نہ کہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے تمام انسانی حاجات کیلئے کافی وافی اور جامع قانونِ شریعت کتاب وحکمت کی شکل میں نازل فرمایا، صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلاوت اور قولی وفعلی تعلیم فرمائی۔ مجتہدین صحابہ وتابعین اور ائمہ دین نے اسکی تشریح وتفسیر کو اس قدر نکھار دیا، کہ الحاد و زندقہ اور تحریف وتغیر کے سب دروازے بند ہو گئے۔ اب جو شخص اس تشریح وتفسیر پر حملہ کرے گا اسے شریعت کا انکار کئے بغیر چارہ نہ ہوگا، ہمارے ڈاکٹر صاحب کا دامنِ ایمان اسی انکاری خار زار میں الجھ کر تار تار ہے۔ نعوذ باللہ من فتنۃ الصدر۔

ڈاکٹر صاحب سالہا سال کی مغربی تعلیم اور استشراقی تربیت کے باعث "انکار شریعت محمدیہ" اور "ہدم اسلام" کے جس مقام میں راسخ القدم ہیں، اس کے پیشِ نظر ان سے اور ان کے مکتبِ فکر سے یہ توقع بظاہر مشکل ہے۔ کہ وہ ہم غریب بوریا نشین قدامت پسندوں کی معروضات پر توجہ، اپنے مغربی نظریات پر تنقید، اور بے چارے اسلام پر رحم فرمانے کیلئے تیار ہوں گے، بلکہ یہاں تو مضمون یہ ہے کہ "میں کہوں گا حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا؟" "لیکن پھر بھی دل چاہتا ہے۔ کہ کم از کم "معذرۃ الی ربکم" کی حد تک اس سلسلہ میں مزید گذارش کر دی جائے، ولعلہم یتقون۔ (اور اس لئے بھی کہ شاید وہ ڈر جائیں۔) ـــــ انکار شریعت کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کا سب سے بڑا وسوسہ

کہیے یا شبہ یہی ہے۔ کہ نبیؐ کو تشریع ۔ یا ان کے لفظوں میں قانون سازی کی فرصت کہاں تھی ۔؟
حالانکہ اتنی بات ڈاکٹر صاحب بھی جانتے ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ۲۳ سالہ زندگی میں فرد اور معاشرے سے متعلق تمام امور سے سابقہ پیش آیا۔ اور نجی زندگی سے لیکر حکومت کے انتظام و انصرام اور بین الملکی تعلقات تک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسائل زندگی ایک ایک کر کے آئے ، اور یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ آپ نے معاذ اللہ ان پیش آمدہ مسائل کے سامنے ہتھیار نہیں ڈال دئے۔ بلکہ وحی الٰہی ، فراست نبوت اور ہمت حکیمہ ۔ یا ڈاکٹر صاحب کی اصطلاح میں طبیبانہ بصیرت کے ساتھ آپ نے زندگی کی تمام مشکلات کا حل پیش کیا، پیش آمدہ مسائل کی ایک ایک گرہ کو کھولا، اور زندگی کے ہر موڑ کے لئے آپؐ نے راہنمائی فرمائی اور ان کے لئے راستہ متعین کیا۔ ان تمام امور کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح یا باصطلاح جدید قانون سازی نہ کہا جائے گا ۔؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے یہ تشریح کتنی آسان ہے۔ جس کے لئے طویل فرصت اور تحقیقاتی بورڈ کی سفارش کی قطعاً حاجت نہیں ۔ کہ نبی ایک دفعہ وضو کر کے دکھلاتا ہے۔ تو کتاب الوضوء کے سینکڑوں جزئیات کی تعلیم و تشریح ہو جاتی ہے ۔ نبیؐ وحی الٰہی کی روشنی میں امت کے سامنے نماز کی دو یا چار رکعتیں پڑھ لیتا ہے۔ تو کتاب الصلوٰۃ کے ہزاروں مسائل کی تشریح کا دفتر کھل جاتا ہے ۔ اسی طرح زکوٰۃ ، روزہ ، حج ، قربانی ، جہاد ، نکاح و طلاق ، بیع و شراء حدود و قصاص ، معاملات و معاشرت کے لاکھوں مسائل کی تشریح نبیؐ اپنی فعلی تعلیم سے چند لمحوں میں کر دیتا ہے ۔ اس صورت میں کون کہہ سکتا ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ زندگی بھی تشریح کے لئے ناکافی ثابت ہوئی ۔؟

اور یہ تو آپؐ کی فعلی تشریح کا حال ذکر کیا گیا۔ اسی کے ساتھ اگر آپؐ کے ارشادات ، کلمات ، طیبات اور جوامع الکلم کو بھی ملا لیا جائے ، تو تشریح نبوی کا مسئلہ اور بھی قریب الی الفہم ہو جاتا ہے۔ یہاں صرف ایک مثال عرض کرتا ہوں ۔ نبیؐ ایک معصوم بچے سے ازراہ ملاطفت و مزاح کہتا ہے ، یا ابا عمیر ما فعل النغیر ۔ (ابو عمیر ! وہ بلبل کیا ہوئی ۔؟) یہ بادی النظر میں ایک معمولی مزاحی فقرہ ہے ، جس کے حروف کی تعداد بھی ۱۶/۱۸ سے زائد نہیں ۔ گن دیکھئے ۔ لیکن یہی چند حرفی فقرہ جب لسان نبوت سے صادر ہوتا ہے ۔ تو مزاج شناسان نبوت کو اسی سے بیسیوں ۔ بلکہ تقریباً یکصد مسائل شرعیہ کا سراغ مل جاتا ہے ۔ ملاحظہ ہو شروح حدیث ۔ جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان برحق یہ ہو اوتیت جوامع الکلم وعلوم الاولین والآخرین ۔ (مجھے جامع کلمات اور اولین و آخرین کے علوم عطا کئے گئے ۔) اسی نبیؐ کے بارے میں ، میں نہیں سمجھتا ، کہ کس مومن کے مونہہ سے یہ بات بھی نکل سکتی ہے ۔ کہ آپؐ کو

معاذ اللہ تشریح کی فرصت نہیں ملی۔

تقریب الی الفہم کے لئے وحی اور نبی کے باہمی تعلق کو روح وجسم یا قوت برقیہ اور مشینی آلات کے مابین تعلق سے سمجھا جاسکتا ہے، جس طرح تمام اعضائے جسم کی ساخت ٹھیک اور درست کر دینے کے بعد قدرت الٰہیہ اس پر روح کا فیضان کرتی ہے۔ اور مرکز جسم یعنی قلب سے روح کا تعلق جوڑ دیا جاتا ہے۔ تو تمام اعضائے جسم اپنا اپنا کام شروع کردیتے ہیں، کان سننے لگتے ہیں، زبان گویائی میں مصروف ہوجاتی ہے۔ آنکھیں محو تماشا ہوجاتی ہیں۔ پاؤں تگ و دو میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ ہاتھ قبض و بسط، داد و ستد اور گرفت و گذار میں منہمک ہوجاتے ہیں۔ الغرض جسم کے تمام آلات و جوارح اور قوائے شعور و احساس کے یہ تمام افعال بظاہر جسم ہی سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت شناس جانتا ہے۔ کہ یہ تمام افعال روح کا فیض ہے۔ اور اعضائے جسم اس کیلئے آلۂ کار ہیں۔ یا مشین کے پرزوں کو پوری طرح فٹ کردینے کے بعد برقی خزانہ سے جب بجلی چھوڑی جاتی ہے اور ان مشینی آلات کا برقی طاقت کے ساتھ جب رابطہ قائم کردیا جاتا ہے۔ تو پوری مشین اور اس کا ایک ایک پرزہ اپنا عمل شروع کردیتا ہے۔ یہاں بھی ان مشینی پرزوں کی حرکت اور تگ و دو ان کی ذاتی نہیں بلکہ یہ تو قوت برقیہ کیلئے آلۂ کار ہیں۔ ٹھیک اسی طرح، لیکن بلاتشبیہ، نبیؐ کے قوائے علمیہ و عملیہ کی تکمیل کے بعد جب نبیؐ کے قلب اطہر کا ملاء اعلیٰ سے رابطہ قائم کردیا جاتا ہے۔ اور وحی الٰہی کی برقی روح کا اس پر فیضان ہوتا ہے۔ تو وحی الٰہی کی تشریح و تفسیر اور اس کے منشا کی تفصیل و توضیح کے لئے نبیؐ کی شخصیت سراپا عمل بن جاتی ہے۔ پھر اس سے جو کچھ صادر ہوتا ہے۔ وہ ایک ظاہر بین کی نظر میں نبیؐ کا عمل ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت شناس جانتا ہے۔ کہ یہ سب وحی الٰہی کی کارفرمائی ہے۔ اور نبیؐ اس کے لئے جارحہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔

پھر جسطرح یہ ناممکن عادی ہے۔ کہ جسم کے تمام اعضاء بالکل صحیح سالم ہوں اور روح کا تعلق بھی جسم سے قائم ہو، اس کے باوجود جسم، روح کے اشارۂ چشم و ابرو کی تعمیل نہ کرے۔ یا مشین کے پرزے بالکل ٹھیک حالت میں اپنی اپنی جگہ فٹ ہوں۔ اور بجلی کا کنکشن بھی ان سے ٹھیک قائم ہو۔ لیکن اس کے باوجود یہ مشینی آلات حرکت میں نہ آئیں۔ اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ——— جو قبل از نبوت ہی جسم و روح، اخلاق و عادات، اعضاء جوارح اور حسب نسب کے ہر نقص سے پاک کرلیا جاتا ہے ——— کے ساتھ سلسلۂ وحی قائم ہوجانے کے بعد ایک لمحہ کیلئے بھی وہ منشائے وحی کی تعمیل میں کوتاہی کرے۔ ما ضل صاحبکم وما غویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ اس لئے کہ اس

رابطہ کے بعد نبیؐ کا ہر قول و فعل اور علم و عمل وحیِ الٰہی کی ذمہ داری سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔

پھر جسطرح لوہا اور پیتل وغیرہ کے پگھلے ہوئے سیال مادہ کو مختلف قالبوں میں انڈیل دیا جاتا ہے۔ اور یہ ایک وحدت ان قالبوں میں جاکر نوع در نوع شکلوں میں متشکل اور مختلف ڈیزائن کے گوناگوں پرزوں میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح، بلاکیف وتشبیہ، وحی الٰہی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی قوالب میں ڈھلتی ہے، تو اعتقادات، عبادات، اخلاق، معاملات، سیاسیات اور معاشیات کے تشریعی قوانین کی شکل میں متشکل ہوکر ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور حکمت کا نام پاتی ہے۔

ویعلمہم الکتاب والحکمۃ۔ ای السنن کما فسر بہ بعض السلف۔

الغرض نہ وحی خداوندی نبیؐ کے عمل کے بغیر اپنی تفصیلی تشریحات میں ظہور پذیر ہوتی ہے، نہ نبیؐ کے عمل کو وحی سے جدا کیا جاسکتا ہے۔ وحی کا صحیح مفہوم اور اسکی ٹھیک ٹھیک تعمیل اسی وقت ممکن ہوگی جبکہ اسے اعمال نبویہ کے جزئیاتی قوالب میں رکھ کر پڑھا جائیگا۔ اور اس پر عمل کیا جائیگا۔ کون نہیں جانتا کہ وحی الٰہی نماز کا حکم دیتی ہے۔ لیکن یہ نماز نبی کے عمل میں متشکل ہوکر سامنے آئے گی۔ صلوا کما رأیتمونی اصلی، وحی خداوندی زکوٰۃ کا حکم دیتی ہے۔ یہ حکم اپنی تفصیلی نوعیت کے ساتھ سنن نبویہ کے آئینہ میں جلوہ گر ہوگا، وقس علیٰ ہذا۔ یہی راز ہے کہ حق تعالیٰ نے کسی نبی کے بغیر کوئی کتاب نازل نہیں فرمائی، بلکہ کتاب کے ساتھ صاحب کتاب (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی بھیجا گیا، تاکہ وہ احکام کتاب کی تفصیل وتعین اور اس کے اسرار و رموز اور تشریحی قوانین کی توضیح کرے۔ واللہ اعلم،

(تنبیہ) اس بحث میں وحی اور صاحب وحی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تعلق کے لئے جو مثالیں ہم نے دی ہیں۔ ان سے محض تقریب فہم مقصود ہے، ورنہ ظاہر ہے۔ کہ وحی کی اصل کیفیت ہر قسم کی مثال سے بالاتر اور ہر تشبیہ سے وراء الوراء ہے۔

اب ہم ڈاکٹر صاحب کے فلسفۂ ارتقاء کے تیسرے فرضی اصول پر بحث کریں گے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ ۱۔ صحابہ کرام پیدا ہونے والے نزاعات کا فیصلہ اپنی فہم وخرد یا رسوم و رواج کے مطابق خود ہی کر لیا کرتے تھے۔ ۲۔ صرف انتہائی غیر معمولی حالات ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصلہ کی زحمت دی جاتی تھی۔ ۳۔ اور بہت ہی خاص حالات قرآن کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ ۴۔ لیکن ان قرآنی اور نبوی فیصلوں کی نوعیت بھی محض ہنگامی اور وقتی واقعات کی ہوتی تھی۔ ۵۔ اس لئے ان کو متشددانہ طور پر قانون کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ ۶۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ "ایک گونہ نظیر ہی" کہا جا

سکتا ہے ۔ (۵۲)

یہ پانچ کے چھ فقرے بھی خالص یہودی ذہن کی پیداوار ہیں ۔ اور ان میں کفر و نفاق عریاں ناچتا ہے ۔ پہلے فقرے میں تبلانا مقصود ہے ۔ کہ معاذ اللہ ، دورِ نبوی میں لاقانونیت کا دور دورہ تھا ، وہ لوگ کسی اصول ، کسی ضابطہ ، قاعدہ اور قانون کے پابند نہ تھے ، اسلام سے پہلے وہ اپنی عقل و فہم اور رسوم و رواج کی جس ڈگر پر چلا کرتے تھے ، اسلام کے بعد بھی وہ بدستور اسی پر چلتے رہے ، اسلام نے انہیں کوئی قانونِ عبادت ، قانونِ معاشرت ، قانونِ معاملات ، قانونِ سیاست ، قانونِ تعزیر اور قانونِ اخلاق نہیں بخشا تھا ، بلکہ ان کے لئے قانونِ عمل ، یا خود ان کی اپنی عقل و فہم تھی ۔ یا پھر وہ کہ اسلام سے پہلے کے جاہلی رسوم و رواج جن کو "معمولی تبدیلی" کے بعد علی حالہٖ رہنے دیا گیا تھا ، کیا اس فقرے کے مضمرات یہی نہیں ہیں ۔؟ اس مفروضہ سے ایک طرف دورِ نبوی کی تمام تاریخ مسخ ہو کر رہ جاتی ہے ۔ اور دوسری طرف اسلام کی عدم افادیت بلکہ لغویت پر مہر لگ جاتی ہے ۔ خاکم بدہن ۔

دوسرے اور تیسرے فقرے میں صحابہ کرام کی ذہنیت ، مزاج اور جذبات کی پوری تاریخ کو اس قدر سیاہ دکھایا گیا ہے ۔ جس سے زائد کا تصور بھی ہمارے لئے ممکن نہیں ، یعنی خدا و رسول کی طرف رجوع کرنے یا موصوف کے لفظوں میں سہارا لینے کی ضرورت تو صحابہ کرامؓ صرف انتہائی غیر معمولی حالات یا بہت ہی خاص حالات میں محسوس کیا کرتے تھے ، ورنہ غیر معمولی حالات ، اور بہت خاص حالات میں بھی وہ خدا و رسول سے بے نیاز ہی رہا کرتے تھے ۔ امت کے تمام اکابر محدثین پر "تاریخ ساز" کا فتویٰ (۵۳) صادر کرنے والے مجتہد کا اپنا ضمیر اگر اس غلط ، بھونڈی اور مکروہ تاریخ سازی پر ملامت نہیں کرتا ، تو تمام دنیا اندھوں کی نگری نہیں ، تاریخِ صحابہ کا مبتدی طالب علم بھی اس پر "صد نفرین" کہے گا ۔ حالاتِ صحابہ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کا یہ نظریہ سورج کے منہ پر تھوکنے کے مترادف ہے ۔

چوتھے فقرے میں قرآنی اور نبوی فیصلوں کو محض ہنگامی اور وقتی قرار دے کر بعد میں آنے والی امت کا رشتہ ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کاٹنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامت تک رہنے والی نبوتِ عامہ ، پر کاری ضرب لگانے کی مکروہ کوشش کی گئی ہے ۔ جو خالص یہودیانہ تحریف ، اور ابدیتِ دینِ اسلام کے خلاف سوچا سمجھا منصوبہ ، اور کھلی سازش ہے ، میں پوچھنا چاہتا ہوں ، کہ اس خالص افتراء اور سفید جھوٹ کی کیا دلیل ہے ۔ کہ قرآن و حدیث اور خدا و رسول

---

(۵۲) فکر و نظر جلد ۱ ش ۱ ص ۱۸ (۵۳) جلد ۱ ش ، ص ۱۰

کے تمام فیصلے محض وقتی تھے، بعد کی امت کو ان کی پابندی سے چھٹی مل گئی، جب قرآن کو تا قیامت باقی رہنا ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کی تمام انسانیت کے لئے نبی ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کے بعد آنے والے بھی آپ کے اسی طرح امتی ہیں جس طرح آپ کے زمانہ کے لوگ تھے، جب اسلام ابدی صداقت ہے۔ جسے ہمیشہ رہنا ہے۔ تو ڈاکٹر صاحب کے کان میں یہ وسوسہ کس شیطان نے پھونک دیا ہے۔ کہ مسلمان قرآن کو کتاب اللہ سمجھ کر ضرور پڑھا کریں، لیکن ان کے فیصلوں کو ہنگامی اور وقتی کہہ کر ان سے جان چرایا کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مانا کریں، لیکن آپ کے فیصلوں کو یہ کہہ کر رد کر دیا کریں، کہ یہ اسی وقت کیلئے تھے۔ اسلام کو دین حق تسلیم کیا کریں۔ لیکن اس اعتقاد کے ساتھ کہ اس کے تمام قوانین ہماری رائے کے تابع ہیں، اپنے کو نبی کے امتی کہا کریں، لیکن ساتھ یہ نظریہ بھی رکھیں کہ ہم نبی کے کسی فیصلہ کے پابند نہیں ہوں گے۔ ع تو ہی بتا کہ پھر کافری کیا ہے۔؟ یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔

پانچویں فقرے میں ان مذکورہ بالا مفروضات کے نتیجہ کے طور پر صاف صاف کافرانہ اعلان کر دیا گیا ہے جس کے سننے کی تاب بھی، میرا خیال ہے، کسی مسلمان کو نہیں ہو سکتی، یعنی خدا کا فیصلہ بندوں کے لئے اور نبی کا فیصلہ امت کے لئے لائق عمل قانون کا درجہ نہیں رکھتا۔ ڈاکٹر صاحب جس حکومت کے نمک خوار ہیں، ذرا اس کے بارے میں اعلان کر دیکھیں، کہ اس کا دستور یہاں کے لوگوں کے لئے دستور کا اور اس کا کوئی قانون ہمارے لئے قانون کا درجہ نہیں رکھتا، جسے متشددانہ طور سے حرف بحرف نافذ کیا جائے۔ فوراً آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔ لیکن یہ تمام مسخرہ پن خدا و رسول کے احکام اور فیصلوں ہی کے ساتھ سوجھتا ہے۔ لیکن اس قسم کے مسخروں کے بارے میں خدا تعالیٰ کا اعلان بھی سن رکھئے:

قل ابا اللہ وآیاتہ ورسولہ کنتم تستھزءون	اے نبی! آپ اعلان فرمادیں کہ کیا تم اللہ سے
لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم	اور اسکی آیات سے دل لگی کرتے ہو؟ بہانے

نہ بناؤ! تم دعوائے ایمان کے باوجود کافر ہو گئے ہو ــــ!

چھٹا فقرہ اس سے بڑھ کر بیہودیانہ اور اشد کفراً و نفاقاً کا مصداق ہے۔ ہمارے محترم ڈاکٹر صاحب خدا و رسول کے فیصلہ کو قانون کیا نظیر کامل ماننے کیلئے بھی تیار نہیں، کیونکہ ان کی "اسلامی تحقیقات" کو اس سے بھی خطرہ لاحق ہونے کا اندیشہ ہے۔ بلکہ وہ اسے صرف "ایک گونہ نظیر" قرار دیتے ہیں،

گویا ماتحت عدالتوں کیلئے عدالتِ عالیہ کا فیصلہ جس احترام کا مستحق ہے۔ بلکہ ایک متوازی اور ہم مرتبہ عدالت کیلئے دوسری عدالت کا فیصلہ جس قدر لائقِ احترام ہے، ڈاکٹر صاحب کے "ماڈرن اسلام" میں خدا و رسول کے فیصلوں کو اتنا شرفِ احترام بھی حاصل نہیں۔ پھر ڈاکٹر صاحب کے اشہبِ قلم کی سبک خرامی ملاحظہ کیجئے، کہ وہ ایک ہی سانس میں ان ملحدانہ اور زندیقانہ دعووں کی بھرمار کئے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے لئے حرام ہے کہ کسی ایک دعویٰ کی بھی عقلی یا نقلی توجیہ کریں، ان کے ان تمام دعاوی کی سند ان کے استاذ محترم یہودی پروفیسر جناب اسمتھ کے ارشادات ہیں جو ان کے حافظہ میں محفوظ ہیں اور بس۔

میں ڈاکٹر صاحب سے باادب التماس کروں گا، کہ آپ براہ کرم مسلمانوں کو قدامت پسندی میں مبتلا، اور قبرستانوں کی طرف رخ کرنے والے رہنے دیں ؎ مسلمان اس نام نہاد جدید اسلام کو لیکر کیا چاٹیں گے۔ جس میں خدا و رسول کو بھی فیصلے سے معزول کر دیا گیا ہو، آپ کے یہ نظریات مسٹر پرویز کے نظریہ "مرکزِ ملت" کی بگڑی ہوئی شکل ہے، آخر اس ریچ پیچ اور لگ لپیٹ کی کیا ضرورت ہے۔ صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیا جاتا، کہ ہم خدا کو خدا، رسول کو رسول، اور اسلام کو دین کی حیثیت سے ماننے کیلئے تیار نہیں، اس کے بعد جس قسم کی تحقیقات کا شوق فرمائیں مسلمانوں کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ آخر خدا و رسول، قرآن و حدیث، اور دین و شریعت کے خلاف زہر اگلنے اور مکروہ پروپیگنڈا کرنے سے آپ کو کیا حاصل ہوگا، مسلمان ہزار گنہگار سہی مگر اتنی ایمانی رمق ان میں بہرحال باقی ہے۔ کہ جس ذات پر وہ ایمان لاتے ہیں، اسی کے خلاف آپ کے ان زہر آلود تیروں کی بارش کو ٹھنڈے دل سے برداشت نہیں کرتے رہیں گے۔ ایاز! قدرِ خویش بشناس! آپکو شاید اندازہ نہیں کہ مسلمان قوم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کے معاملہ میں کتنی غیور اور نازک احساس واقع ہوئی ہے۔ جرأتِ بے جا کی بھی کوئی حد ہونی چاہئے۔ کتنی ڈھٹائی اور فراخ ذہنی کے ساتھ اعلان کیا جاتا ہے۔ کہ خدا و رسول کے فیصلے قانون نہیں بلکہ صرف ایک گونہ نظیر کا درجہ رکھتے ہیں۔ کس کے لئے۔ مسلمانوں کے لئے! خدا کے بندوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کہلانے والوں کیلئے۔؟ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو۔

اب اس فلسفۂ ارتقاء کے چوتھے اور آخری اصول کو سامنے لائیے۔ اب تک جتنے اصول ذکر کئے گئے ان میں خدا و رسول کے فیصلے کا ذکر، دقتی اور ہنگامی منطق کے پیوند کے ساتھ ہی سہی

؎ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے۔ کہ ماضی کی طرح قرآن و حدیث کیطرف سادہ رجعت کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم قبرستانوں کی طرف رخ کرلیں۔ ملاحظہ ہو فکر و نظر جلد ۲ شمارہ ۵-۶ ص ۳۰۱

بہر حال آتا رہا ہے۔ مگر اس فلسفہ کی اختراع کرنے والے اعداء اللہ، اعداء الاسلام اور اعداء المسلمین کی اصل غرض، اصل مقصد اور اصل خواہش یہ تھی کہ کسی طرح دینِ اسلام کا رشتہ وحیِ خداوندی سے کاٹ کر انسانی افکار کی اختراع سے مربوط کر دیا جائے۔ یہ مقصد اس پوچھتے اصول میں صاف صاف اگل دیا گیا۔ چنانچہ کہا گیا کہ :

محض مذہب یا حکومت سے تعلق رکھنے والی بڑی بڑی پالیسیوں کے طے کرنے یا اہم اخلاقی اصولوں کے متعلق کوئی فیصلہ صادر کرنے ہی میں آنحضرت نے کوئی اقدام فرمایا، لیکن اس کے لئے بھی آپ اکابر صحابہ سے مشورہ کر لیا کرتے تھے، یعنی ان کا مشورہ تنہائی یا پبلک میں حاصل کر لیا جاتا۔ (۵۴)

اس اردو عبارت کا مفہوم واضح ہے، یعنی ۱۔ چند پالیسیوں یا اہم اخلاقی اصولوں کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی فیصلہ نہیں فرمایا۔ ۲۔ وہ فیصلہ بھی محض وقتی ہوتا تھا، دوسرے وقت سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ ۳۔ پھر جو فیصلہ بھی آپ نے فرمایا وہ وحی خداوندی یا آپ کی تنہا رائے کا نتیجہ نہیں تھا۔ بلکہ اکابر صحابہ کے نجی یا علانیہ مشورہ کا مرہونِ منت ہوتا تھا، اور اس عبارت کے مفروضات سے حسب ذیل سنگین نتائج برآمد ہوں گے۔

۱۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کردہ اسلام خدا کا نازل کردہ آسمانی دین نہیں، بلکہ معاذ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ محمد کے ملی بھگت اور گٹھ جوڑ کا نتیجہ، ان کے شورائی فیصلوں کا مجموعہ، اور انسانی ذہن وفکر کے مخترع اصولوں کا نام ہے۔ ۲۔ اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ حیات میں بھی کبھی جامع نظامِ زندگی جو فرد اور معاشرے کے تمام شعبہائے زندگی میں دخیل ہو، کے خواب سے شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا، بلکہ اس وقت بھی اسکی کل کائنات، کل اثاثہ اور تمام سرمایہ چند مبہم قسم کے اخلاقی اصول یا پالیسیوں کے فیصلے تھے۔ ورنہ ان کے علاوہ آپ نے مسلمانوں کو کوئی اعتقادی، عباداتی، سیاسی، سماجی، معاشرتی، معاشی، اخلاقی اور نظریاتی نظام نہیں دیا۔ نہ آپ نے کسی قسم کا کوئی فیصلہ فرمایا۔ ۳۔ پھر چونکہ ڈاکٹر صاحب کے بقول آپ کے یہ چند اخلاقی اور پالیسی فیصلے بھی محض وقتی اور ہنگامی تھے۔ اس لئے رحلتِ نبویؐ اور مرورِ وقت کے ساتھ ہی اسلام کا یہ قلیل اثاثہ بھی لُٹ گیا، اس لئے مسلمانوں کو اسلام پر تو انا للہ پڑھنی چاہیئے، اور اپنے مسائل خود حل کرنے کے لئے نظام ہائے زندگی خود مرتب کرنے چاہئیں، ورنہ اسلام ان کی مشکلات کو حل نہیں کر سکتا۔

اگر میں نے ڈاکٹر صاحب کی اس اردو عبارت کا مفہوم سمجھنے یا اس کے مضمرات کو بصورت نتائج ظاہر کرنے میں ٹھوکر کھائی ہو، تو میں طالب علم کی حیثیت سے اس کے صحیح مفہوم اور صحیح نتائج

---

(۵۴) فکر ونظر جلد ۱ شمارہ ۱ ص ۸،

کا جو خیر مقدم کروں گا، اور اگر الفاظ کی سختی نرمی سے قطع نظر میں نے اس اردو عبارت کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ تو اس عبارت اور اس کے پیدا کردہ نتائج پر تبصرہ کا حق سر دست محفوظ رکھتے ہوئے، ان تمام دانشمندانِ ملت سے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے فیصلوں کو وقتی کہہ کر رد کر دینے، اسلام کو محمد اور اصحاب محمد کے شورائی گٹھ جوڑ کا نتیجہ قرار دے لینے اور اسلام کا کل اثاثہ چند وقتی اور ہنگامی قسم کی پالیسیوں اور اخلاقی اصولوں کو جن کی تفصیل جناب ڈاکٹر فضل الرحمان صاحب بہادر بھی تبلانے سے معذور ہیں۔ مان لینے کا فیصلہ نہیں کر لیا، میں ان حضرات سے اپیل کروں گا کہ وہ ڈاکٹر صاحب کے افکار و آراء اور عزائم و مقاصد کی تہ کا سراغ لگانے کی کوشش کریں۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ۔

اگلے شمارہ میں ملاحظہ فرمائیے
پرنسٹن یونیورسٹی امریکہ میں ڈاکٹر فضل الرحمان کی تقریر کا جائزہ
از قلم مولانا محمد یوسف صاحب
(ماموں کانجن)

بقیہ: نیاز عرب ————— چنانچہ حضرت فاطمہؓ، حضرت نسیبہؓ اور چند دوسری صحابیات کا میدانِ جہاد میں موجود ہونا صحیح روایت سے ثابت ہے ——— زعبی صاحب کا اندازِ بیان کچھ ایسا تھا کہ ان کے نزدیک عورت اگر اپنی مرضی سے میدانِ جہاد میں مردوں کے دوش بدوش لڑنا لڑنا چاہے تو شریعت میں اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک میرے علم کی رسائی ہے۔ بعض صحابیات کا غزوات میں جانا زخمیوں کی مرہم پٹی اور ان کو پانی پلانے اور اس قسم کی دوسری خدمات کے لئے ہوا کرتا تھا عملی طور پر عورت کا جنگ میں حصہ لینا ثابت نہیں ہے۔

اختتام محاضرہ پر زعبی صاحب نے خصوصی مجلس میں ہمیں خوش آمدید کہی۔ پاکستان اور اہلِ پاکستان کے بارے میں اچھے تاثرات کا اظہار کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ شعبی کی روایت سے ایک حدیث میری نظر سے گذری ہے جس کی سند کی مجھے تحقیق نہیں ہے۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ عرب دین سے برگشتہ ہو جائیں گے۔ اور ان کو صحیح راہ پر لانے کیلئے عجم ان سے ساتھ لڑنے آئیں گے۔ انہوں نے تواضع کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے خیال میں وہ زمانہ قریب آرہا ہے۔ کہ ہمیں درست کرنے کیلئے عجم ہمارے ساتھ برسرِ پیکار ہوں۔ اور کوئی بعید نہیں ہے کہ یہ پاکستان کے عجم ہوں ■■

(باقی آئندہ)